محمد اسحاق بھٹی

اخلاق نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اخلاق کو اسلامی تعلیمات میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور یہ وہ مسئلہ ہے جس کا تعلق پورے انسانی معاشرے سے ہے۔ اخلاق کا محض یہ مطلب نہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے انکسار کا مظاہرہ کرتا رہے اور بات بات میں اس کے حضور نرمی اور تواضع سے پیش آنے کو اپنا شیوہ قرار دے لے۔ اخلاق کے حدود بہت وسیع ہیں اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط اور معاملات کے ہر شعبے کو اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہیں۔ دل کی صفائی، ذہن کی پاکیزگی، زبان کی سچائی، گفتار میں نرمی، میل جول میں خلوص اور قلب و ضمیر میں سب کے لیے خیر خواہی اور اصلاح کا جذبہ ---------------- !

حدیث کی رو سے دیکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی اخلاق کی بنیادوں کو استوار کرنا تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے۔

بعثت لاتمم حسن الاخلاق

(میں حسن اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں)

ایک اور موقعے پر ارشاد فرمایا :-

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

(میں فقط اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کو تکمیل کی منزل تک پہنچا دوں)

مدینہ منورہ میں حضرت ابوذر غفاری کو پتا چلا کہ مکے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر کے لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے اور برائی سے روکنے کی مہم شروع کی ہے۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے انہوں نے اپنے بھائی انیس کو بھیجا۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ انیس نے واپس جا کر ابوذر کو بتایا۔

رأيته يامر بمكارم الاخلاق

(میں نے انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔)

ہمسائے کا خیال رکھنا، بڑے کی عزت کرنا، چھوٹے پر شفقت کرنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، گالی گلوچ نہ کرنا، کمزور سے حسن سلوک کرنا، کسی کو ذہنی، فکری، جسمانی اور مالی پریشانی میں مبتلا نہ کرنا، لوگوں کو اچھائی کی راہ پر لگانا اور برے کاموں سے روکنا، یہ سب باتیں اخلاق حسنہ کہلاتی ہیں اور اسی کا نام اسلام ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو انہی امور پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے۔

مسلمان جب مکے سے حبشہ کو ہجرت کر کے گئے تو قریش مکہ کے بعض افراد وہاں پہنچے اور انھوں نے نجاشی کے دربار میں ان کی شکایت کی۔ اب صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے نجاشی نے ان کو اپنے دربار میں بلایا۔ حضرت جعفر طیار نے مسلمانوں کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیا اور دربار نجاشی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ہمیں برے کاموں سے روکتے اور اچھی باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم سچ بولیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، کسی کو پریشان نہ کریں، دنیا میں خوں ریزی نہ کریں، ہمسایوں کو آرام پہنچائیں، کسی پر ادھر ادھر کے الزام نہ لگائیں اور اسے معاشرے میں بدنام کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ باتیں سن کر نجاشی نے جعفر طیار سے کہا کہ ۔ اگر تمہارے پیغمبر ان باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں تو بالکل صحیح کرتے ہیں، پیغمبروں کا یہی کام ہوتا ہے۔

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے بارے میں کہا تھا کہ وہ لوگوں کو جہاں اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کا حکم دیتے ہیں، وہاں یہ بھی تاکید کرتے ہیں کہ رشتے داروں کے حقوق ادا کیے جائیں، صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کی جائے، کسی کو غلط راہ پر نہ لگایا جائے اور ہمیشہ ہر معاملے میں سچ بولا جائے، کذب بیانی سے اجتناب کیا جائے۔

صحیح مسلم کی ایک رویت میں بتایا گیا ہے کہ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا مانگتے تھے، اس میں اللہ سے حسن اخلاق کی بھی التجا کرتے تھے۔ آنحضرت کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت و اصرف عنی سیاتھا لا

یصرف عنی سیاتھا الاانت

(یعنی اے میرے پروردگار! تو مجھے بہترین اخلاق کی رہنمائی سے نواز۔ تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی رہنمائی سے نہیں نواز سکتا۔ اے میرے پروردگار، تو برے اخلاق کو مجھ سے دور فرمادے۔ تیرے سوا برے اخلاق کو کوئی بھی دور نہیں کر سکتا۔)

ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا

(مسلمانوں میں کامل ترین ایمان اسی کا ہے، جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے)

دوسری جگہ فرمایا:-

خیار کم احسنکم خلقاً

(تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے، جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔)

طبرانی کی ایک روایت میں فرمایا گیا ہے:-

احب عباداللہ الی اللہ احسنھم اخلاقاً

(اللہ کے بندوں میں بارگاہ الٰہی میں سب سے پیارا شخص وہ ہے، جس کے اخلاق سب سے بہترین ہوں۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حسنہ اختیار کرنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا، بلکہ آپ خود پیکر اخلاق حسنہ تھے اور آپ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو بہترین اخلاق کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے:-

انک لعلی خلق عظیم (القلم: ۴)

(اے پیغمبر! آپ اخلاق کے اونچے درجے پر فائز ہیں۔)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:-

کان خلقہ القرآن

(آپ کا اخلاق احکام قرآن کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔)

حضرت عائشہ مزید فرماتی ہیں کہ حضور کسی کو مطعون نہ ٹھہراتے اور غلط کردار نہ قرار دیتے تھے۔ کوئی آپ کے ساتھ ناروا طریقے سے پیش آتا تو اس سے بدلہ نہیں لیتے تھے، بلکہ برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے تھے۔ زیادتی کرنے والے سے درگزر فرماتے تھے۔ آپ نے

کسی مسلمان پر کبھی لعنت نہیں کی۔ کسی سے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ کسی کی جائز درخواست رد نہیں فرمائی۔ آپ مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ نہایت آرام سے ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے۔ ہمیشہ خنداں و فرحاں رہتے اور آپ کے چہرے پر مسکراہٹ غالب رہتی۔ آپ لوگوں کا کام کرنے میں خوشی محسوس فرماتے۔ کبھی کسی کو پریشانی میں مبتلا نہیں کیا اور کبھی کسی کے بارے میں ایسے الفاظ نہیں کہے جو اس کے لیے ذہنی اور فکری اعتبار سے تکلیف کا باعث ہوتے ہوں۔

آپ نے نہ صرف مسلمانوں کے لیے نرم رویہ اختیار کیا بلکہ مخالفوں اور دشمنوں سے بھی نرمی کا سلوک روا رکھا۔ قرآن کہتا ہے :-

فبما رحمة من الله لنت لهم و لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک

(آل عمران : ۱۵۹)

(اے پیغمبر ! یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے ہو، اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔)

دوسری جگہ لوگوں کو مخاطب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے :-

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (توبہ : ۱۲۸)

(مسلمانو ! تمہارے پاس اللہ کا ایک رسول آگیا ہے جو تمہی میں سے ہے، تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا اس کو بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے۔)

مخالف و موافق، امیر و غریب، دوست و دشمن، رشتے دار و غیر رشتے دار اور چھوٹے بڑے ہر ایک کے ساتھ آپ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے تھے اور صلح ہو یا جنگ ہر موقعے پر آپ کا برتاؤ مشفقانہ ہوتا تھا۔ کسی کو مبتلائے اذیت کرنا اور اپنے قول و عمل سے تکلیف پہنچانا ہرگز آپ کا شیوہ نہ تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کے اخلاق و عادات کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا :

آپ نرم خو اور شفیق تھے، رافت و مہربانی آپ کا امتیازی وصف تھا۔ سخت مزاجی

اور تنگ دلی سے آپ کو نفرت تھی۔ کوئی بری بات زبان سے نہ نکالتے تھے، کسی معاملے میں شور اور ہنگامہ نہیں کرتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ جو بات آپ کو ناپسند ہوتی اس سے اغماض فرماتے۔ کوئی شخص کسی چیز کی امید رکھتا اور آپ سے سوال کرتا تو اسے مایوس نہ کرتے۔

تین چیزوں سے آپ ہر آن کنارہ کش رہتے تھے۔

* --------بحث و مباحثے سے۔
* --------ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے سے۔
* --------جس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو، اس میں دخل انداز ہونے سے۔

دوسرے کی دل جوئی فرماتے اور اس کی بات نہایت توجہ اور غور سے سنتے، جب تک وہ بات ختم نہ کرلیتا، خاموشی اختیار فرمائے رکھتے، کسی کو بات میں ٹوکنا اور سلسلۂ گفتگو کو آگے نہ بڑھنے دینا، آپ کے مزاج کے منافی تھا۔

نہایت فیاض، انتہائی نرم مزاج، بہ درجہ غایت خوش طبع اور بے حد سخی تھے۔

کسی کے متعلق توہین آمیز کلمہ زبان سے نہ نکالتے، کوئی اس قسم کی بات کسی سے کہتا تو اسے روکتے، کسی چیز کو بری اور ناقص نہ قرار دیتے، کسی کا دل نہ دکھاتے، جس قسم کا کھانا سامنے آتا تناول فرمالیتے اور اسے ناقص نہ قرار دیتے۔ یہ تھے شہنشاہ کونین کے اخلاق:-

اخلاق کا مطلب ہے عادات واطوار، اور میل جول کے طور طریقے۔ اگر کسی کے عادات و اطوار اور میل جول کے طریقے اچھے ہیں تو وہ اخلاق حسنہ سے متصف ہے اور اگر میل جول کے طور طریقے غلط ہیں اور عادات و اطوار میں برائی کا عنصر راہ پا گیا ہے تو اسے بداخلاقی سے تعبیر کیا جائے گا اور یہ اخلاق سیئہ کہلائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دی ہے، آپ خود بھی اخلاق حسنہ کا مکمل ترین نمونہ تھے اور آپ نے لوگوں کو بھی یہی تاکید فرمائی ہے کہ ہر معاملے میں اخلاق حسنہ کو اپنایا جائے۔

اخلاق کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، یہ انسان کے بالکل ابتدائے آفرینش کا مسئلہ ہے۔ جونہی اس عالم آب و گل نے وجود کا جامہ پہنا اور انسان نے دھرتی پر قدم رکھا، یہ مسئلہ ظہور میں آگیا تھا۔

انسان کو فطری طور پر معلوم ہے کہ کون سی بات اچھی ہے اور کون سی غلط، کون سا عمل برا ہے اور کون سا عمل صحیح، کون سی حرکت نقصان دہ ہے اور کون سی فائدہ مند، کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ !

انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی اصلاح کے سامان بھی پیدا کر دیے تھے اور بتا دیا تھا کہ کون سی راہ اختیار کر کے وہ درست منزل پر پہنچ سکتا ہے اور کون سی راہ اس کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔

وھدینہ النجدین (البلد : ۱۰)

(اور ہم نے اسے سعادت و شقاوت کی دونوں راہیں دکھا دیں۔)

راہ سعادت کی تمام انبیا و مصلحین نے نشان دہی کی ہے اور لوگوں کو اس کے فوائد سے آگاہ فرمایا ہے۔ اس راہ پر گامزن نہ ہونے کی صورت میں جو خرابیاں جنم لیتی ہیں اور فرد و معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں، اس سے بھی خبردار کیا۔ یعنی انبیا و مصلحین کے گروہ نے مواقع و مقامات کے مطابق مختلف اوقات و ادوار میں لوگوں کو حق و صداقت کی روشنی سے بھی آگاہ کر دیا تھا اور غلط و ناروا امور کی ظلمتوں سے بھی انہیں اطلاع بہم پہنچا دی تھی۔

لیکن اس کی وضاحت و تبیین جس طرح پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے اخلاق کے اصول و قوانین کی صراحت فرمائی، اس کی غرض و غایت کی تعیین کی اور اس کے اسباب و علل سے پردہ اٹھایا۔

اخلاق کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جہاں اس کا تعلق ضمیر کی آواز، دل کی پکار اور عقل و فطرت کی اندرونی صدا سے ہے، وہاں اسے وحی الہی اور حکم خداوندی کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ یعنی اگر کسی وقت عقل پر جذبات غالب آجائیں اور دنیا کے کچھ عارضی مفاد صدائے قلب کو دبا دینے کی کوشش کریں تو وحی الہی اور تعلیم محمدی اس کے سامنے آکھڑی ہوں اور اسے حق و صداقت کی راہ سے دور نہ ہٹنے دیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک مسکین اور مستحق آپ کو مدد کے لیے پکارتا ہے اور آپ کی مالی حالت اس قابل ہے کہ اس کی مدد کر سکیں، لیکن آپ کا دل اس سے گریز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اس کی مدد کی گئی تو پیسے گھٹ جائیں گے اور فلاں فلاں ضرورتیں پوری نہیں ہو سکیں گی۔ اب حکم الہی سامنے آتا ہے اور قرآن کا یہ فرمان ذہن میں

گھومنے لگتا ہے۔

فات ذاالقربیٰ حقه و المسکین و ابن السبیل (روم : ۳۸)

(رشتے داروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اللہ کی راہ میں دو)

اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرنے سے معاشرے میں اخوت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کے باہمی تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب ایک انسان دوسرے انسان کی کسی نوع کی بھی مدد کرتا ہے تو اس سے باہم محبت کے جذبات کروٹ لیتے ہیں اور ذہن خفگی و کدورت کے جراثیم سے پاک ہوتا ہے۔

اخلاق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان ہی سے بہتر مراسم پیدا کرے اور اس سے اچھی طرح پیش آئے، غیر مسلمان سے اچھا سلوک نہ کرے۔ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ یہ خالص انسانی مسئلہ ہے، ہر انسان کو دوسرے انسان سے خوش گوار تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان کا ہر گز کوئی امتیاز نہیں ہے۔ غیر مسلم بھی حسن سلوک کے اتنے ہی مستحق ہیں، جتنے مسلمان۔ بلکہ بعض اوقات غیر مسلمانوں کا استحقاق مسلمانوں سے بڑھ جاتا ہے۔

یہ حقوق و فرائض کا مسئلہ ہے، جس میں تمام انسانی معاشرہ شامل ہے اور ہر طبقہ و مذہب کے لوگ مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ فرض کیجیے، جنگ کا زمانہ ہے، مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہیں اور شدید معرکہ آرائی کا دور ہے، اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ غیر مسلموں سے حسن اخلاق سے پیش آؤ۔ جو شخص میدان جنگ میں نہیں ہے، اس پر حملہ نہ کرو اور اسے کسی نوع کا نقصان نہ پہنچاؤ۔ عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں، مہمانوں اور بچوں کو کچھ نہ کہو بلکہ ان کی حفاظت کرو، مندروں، گرجوں اور عبادت خانوں کو منہدم نہ کرو، غیر مسلموں کی فصلوں اور درختوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ سادھو، سنت اور عابد و زاہد لوگ جو عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں، مسلمانوں کی ہمدردی کے مستحق ہیں، ان کو تحفظ دینا فرض ہے۔

غرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقعے اور ہر شخص کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ کسی کو اذیت میں مبتلا کرنا اور جانی و مالی یا فکری و ذہنی تکلیف پہنچانے کی کوشش کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے بالکل منافی ہے۔ جو شخص لوگوں سے حسن سلوک کا مظاہرہ نہیں کرتا اور معاشرے میں بہتر اخلاق کی ترویج و اشاعت کے لیے

کوشاں نہیں ہوتا، اس کا اسلام ناقص ہے اور وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات پر عامل نہیں ہے۔

بے شک نماز، روزہ اور حج وزکوۃ پر عامل ہونا ضروری ہے اور یہ اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، لیکن اسلام محض انہی میں محدود نہیں ہے، اسلام کی حدیں بڑی وسعت پذیر ہیں، جن پر عمل کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی گئی ہے، انہی اعمال ضروریہ میں اخلاق حسنہ کو شمار کیا جاتا ہے۔

ایک شخص نماز کا پابند ہے، لیکن نہایت تند خو اور سخت مزاج ہے، گھر والے بھی اس کی اس بد عادت سے پریشان ہیں اور ہمسائے بھی تکلیف سے دوچار ہیں، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اس غلط عادت کو ترک کر دے۔

اسی طرح ایک شخص پابندی سے روزے رکھتا ہے، زکوۃ بھی دیتا ہے، اور حج و عمرے کے لیے ہر سال عازم بیت اللہ ہوتا ہے، لیکن بد زبان ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر دشنام طرازی پر اتر آتا ہے۔ یا لوگوں کا بد خواہ ہے، یا معاملات کا صاف نہیں ہے۔ اسے کامل مسلمان یا کامل مومن ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی عادات و اطوار کو درست کرے اور اخلاق حسنہ کو اپنائے۔

اخلاق اللہ کی وہ نعمت ہے، جس کے بہت سے حصے نہایت آسانی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ نہ اس پر کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے اور نہ اس کے حصول کے لیے بہت زیادہ محنت اور بھاگ دوڑ کی ضرورت ہے۔ میٹھا بولنا، نرمی سے بات کرنا، کسی کے دکھ سکھ میں شریک ہونا اور اسے تسلی دینا، کوئی غلط راہ پر جا رہا ہو تو اس کو سیدھی راہ پر لگا دینا ------- یہ سب اخلاقی قدریں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا لازمی حصہ !

جانوروں کے ساتھ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر سلوک روا رکھنے کا حکم دیا ہے، ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے، ان سے زیادہ کام لینے اور انہیں مارنے پیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی یہ بھی اخلاقی اقدار میں شامل ہے۔

بہر حال اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانا اور غلط عادتوں کو ترک کرنا ضروری ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کس قسم کے ہیں۔ کیا ہم کسی معاملے میں اختلاف رائے کو پسند کرتے ہیں؟ جو شخص ہماری طبیعت اور مزاج سے ہم آہنگ ہو کر بات نہ کرے، اسے برداشت کرنے کو تیار ہیں؟ جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہیں، دوسرے کو بھی اس کا حق دار سمجھتے ہیں؟ مخالف کے ساتھ نرمی، شفقت اور مہربانی کا سلوک روا رکھتے ہیں؟ کمزور اور غریب کو وہی حیثیت دیتے ہیں جو طاقت ور اور امیر کو دیتے ہیں؟

ہر گز نہیں!

ہم ہر معاملے میں اپنی ذات کو مقدم قرار دیتے ہیں اور اپنے مفاد کے حصول کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچانا ہماری فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ اپنی طرف اچھائی اور دوسرے کی طرف برائی کو منسوب کرنا ہمارا عام مشغلہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام فوائد خود سمیٹ لیں اور دوسرے کو جس قدر نقصان پہنچا سکتے ہیں، پہنچانے کی کوشش کریں۔ جھوٹ، بددیانتی، دھوکا دہی، چوری، ڈاکا زنی، ہر قسم کی برائی ہمارے اندر سرایت کر چکی ہے۔ ہمارا ہر قدم اخلاق نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف اور ہر حرکت اسوہ پیغمبر کے برعکس ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم اتباع سنت کے دعوے دار اور اطاعت پیغمبر کے مدعی ہیں۔